

Bin Mange Mili Muhabbat بن مانگے ملی محبت

[’ماں کی اہمیت میرے سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا – ماں کی چھت نہ ہو تو زندگی وقت کے ظالم ہاتھوں کھلونا بن جاتی ہے۔ ابھی میں نے پاؤں پاؤں چلنا سیکھا تھا کہ موت کے بے رحم ہاتھ نے ماں کو مجھ سے چھین لیا اور کچھ دنوں بعد انہوں نے دوسری شادی کر لی۔ سوتیلی ماں نے جوں توں کر کے پال پوس کر مجھے جوان کیا۔ دوسری ماں مجھ سے بے تحاشا کام لینا چاہتی تھی سچ کہوں تو وہ مجھ سے سارے گھر کا کام لینا چاہتی تھی۔ جس قدر ہمت میرے تِن ناتواں میں تھی کام کرتی رہی، لیکن پھر ہمت نے جواب دے دیا تو میں بیمار پڑ گئی۔ علاج ہوا۔ جلد اچھی نہ ہو سکی، روز بروز لاغر ہونے لگی۔ ماں اس صورت حال سے گھر اگئی۔ وہ چاہتی تھی کہ میں جلدی سے بھلی چنگی ہو کر پھر سے گھر کا کام سنبھال لوں۔ اور میں تھی کہ چار پائی چھوڑنے کا نام نہ لیتی تھی۔ شاید میں ٹھیک ہو نا نہیں چاہتی تھی۔ ماں نے دیکھا یہ کام کرنے کے بجائے اپنی تیار داری مجھ سے کراتی ہے، تو اس نے میرے باپ سے کہا اس کو تبدیلی آو و ہوا کی ضرورت ہے۔ کیوں نہ ہم اس کو اس کی خالہ کے پاس کچھ دنوں کے لیے بھیج دیں۔ شاید وہاں جا کر ٹھیک ہو جائے۔ میری سگی خالہ فیصل آباد میں رہتی تھی۔ ابو ایک دن مجھے ان کے گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ وہ میری ماں سے بہت ڈرتے تھے۔ خالہ نے مجھے پیار دیا تو میں جلدی اچھی ہو گئی۔ خالہ چاہتی تھیں کہ میں آگے پڑھ لوں لیکن سوتیلی ماں نے مجھے بہت ڈر پوک بنادیا تھا۔ جب بھی سڑک پر چلتی ہر شخص مجھے گھورتا ہوا دکھائی دیتا اور میں سہم جاتی۔ میرے اندر خود اعتمادی نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ آگے پڑھنے سے نفرت ہو گئی۔ جب بھی پڑھنے کے لیے کتاب اٹھاتی۔ ماں مجھے اتھادیتی اور کہتی بعد میں پڑھ لینا، پہلے یہ کام کر دو۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے آج تک کبھی کسی کو سہیلی نہ بنایا۔ مجھے لڑکیوں سے بھی ڈر لگتا تھا۔ میری خالہ کا صرف ایک ہی بیٹا تھا، سعد جو بھی مجھے اچھا لگتا اور بھی برا لگتے لگتا تھا۔ خالہ کا گھر انہ مختصر لیکن کافی خوشحال تھا۔ گھر میں دولت کی ریل پیل تھی۔ انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کی تربیت بہت ہی لاڈ پیار سے کی تھی۔ خالہ اپنے بیٹے کے خوب ہی ناز اٹھاتی تھیں۔ سعد بہت خوب صورت تھا۔ جب وہ چھ کپڑے پہنتا تو شہزادہ لگتا تھا۔ میں بری شکل و صورت کی نہ تھی، پھر بھی سعد جیسی نہ تھی۔ مجھے اس کی صورت پر رشک آتا تھا۔ ویسے بھی میں بہت سیدھی سادی تھی۔ ہر وقت چادر اوڑھے رہتی۔ فیشن میرے قریب سے نہ گزرا جب میں پہلی بار اپنی خالہ کے گھر گئی تو میں نے سعد کو سلام کیا۔ اس نے میرے سلام کا جواب ہی نہ دیا۔ بڑی نخوت سے دیکھا اور چلا گیا۔ یہ بات اس کی مجھے بہت بری لگی تھی۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ خالہ اگر چہ مجھے پیار کرتی تھیں لیکن گھر کا کام یہ بھی خوب لیتی تھیں۔ فرق صرف یہ تھا کہ سوتیلی ماں کام کا انعام لعنت ملامت کی صورت میں دیتی تھی جبکہ خالہ پیار کے دو بول کہہ کر میرادل جیت لیتی تھی۔ خالہ کے گھر کام والی بھی آتی تھی، جو جھاڑ و ہر تِن اور کپڑے دھونے کا کام کر جاتی تھی۔ میں صرف خالہ کا دیگر کاموں میں ہاتھ بٹا دیتی تھی۔ میں یہاں خوش تھی۔ یہاں سب اچھے تھے، خالہ اور خالو پیار کرتے تھے۔ صرف سعد ایسا تھا جو اپنے روپے سے مجھے دکھ پہنچ رہا تھا۔ وہ بھی لاپرواہ بھی پیر نخوت اور بھی بے نیاز بنارہتا۔ جس سے مجھے اپنی ذات کی نفی محسوس ہوتی تو میرا دل گھٹنے لگتا تھا۔ رفتہ رفتہ میں نے یہ محسوس کیا کہ سعد کی لاتعلقی کم ہوتی جا رہی ہے۔ اب اس کو احساس ہو چلا تھا کہ میں ایک فرد ہوں جو اس کے گھر میں رہتی ہوں، وہ مجھ سے ہم کلام ہونے لگا، لیکن صرف کام کی حد تک۔ مثلاً نیا! ذرا میرے کپڑے استری کر دو، جوتے پالش کر دو۔ ایک دن آیا اور کہنے لگا۔ نیا مجھے بہت جلدی ہے ذرا میرے جوتے پالش کر دو۔ میں اس سے ڈرتی تھی۔ اس کا مجھ پر بہت رعب تھا حالانکہ وہ کچھ کہتا نہیں تھا، لیکن جب کہتا تحکمانہ انداز میں۔ میں جلدی جلدی اس کے جوتے پالش کرنے لگتی۔ ایک روز جبکہ میں سر جھکائے تیز تیز جوتے پالش کرنے میں لگی تھی، سر اوپر اٹھایا تو دیکھا وہ مجھے گھور رہا ہے۔ میں گھبرا گئی تو وہ ہنس پڑا، کہنے لگا پاش تمہارے چہرے پر لگی ہے۔ یہ سن کر میں شرمندہ ہو گئی۔ جلدی جلدی پالش کرنے کے بعد جب میں نے جا کر اُٹھنا دیکھا تو حیران رہ گئی کہ پالش کا میرے چہرے پر نام و نشان بھی نہیں تھا۔ نجانے سعد نے ایسا کیوں کہا تھا۔ ایک دن دو استری اسٹینڈ اپنے کمرے میں لے گیا اور میرے پاس آیا کہ میری شرٹ استری کر دو۔ میں نے کہا۔ اچھا جب میں استری کرنے لگی تو وہاں میز نہیں تھی۔ کہنے لگا وہ میرے کمرے میں ہے، تم استری لے کر اوپر آ جاؤ۔ میں نے خالہ کی طرف دیکھا۔ وہ بولیں۔ ہاں ہاں چلی جاؤ۔ وہیں استری کر کے دے آؤ۔ اس میں کیا حرج ہے۔ آج میں نے نیا جوڑا پہنا تھا۔ یہ سلک کا سوٹ کافی خوبصورت تھا جو خالو میرے لیے کوئٹہ سے لائے تھے۔ استری کرنے میں محو تھی کہ سعد میرے پاس آ گیا۔ کہنے لگا۔ اس جوڑے میں تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔ اپنے دفاع میں کچھ بھی نہ سوچا تو میں نے کہہ دیا شکر یہ بھائی جان۔ ابھی میرے منہ سے بات ختم نہ ہوئی تھی کہ میرے چہرے پر ایک زور دار تھپڑ پڑا۔ میں اس اچانک حملے کے لیے تیار نہ تھی۔ میری چیخ نکل گئی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ لگتا تھا اس نے پوری قوت سے مجھے تھپڑ رسید کیا تھا۔ میں سسکیاں لے کر روتی ہوئی اس کے کمرے سے جانے لگی تو وہ کہنے لگا۔ میری ایک بات سنتی جاؤ مجھے تم بھائی نہ کہنا اور اب یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ میں روتے روتے ہاتھ روم میں گھس گئی اور پانی کھول دیا تھا کہ اس کے شور میں رو سکوں۔ خوب جی بھر کے رونے کے بعد اپنا چہرہ دیکھا تو حیران رہ گئی۔ میرے چہرے پر اس کی انگلیوں کے نشان پڑ گئے تھے۔ اس روز میں خالہ کے سامنے نہ گئی۔ اپنے کمرے میں جا کر منہ لپیٹ کر سو گئی۔ شام کو مجھے سعد نے آواز دی۔ نیا ایک کپ چائے بنا لاؤ۔ بادل نخواستہ مجھے اٹھنا پڑا۔ خالہ کے ڈر سے میں نے چائے بنائی تو وہ کچن میں خود ہی آ گیا اور کہنے لگا۔ پلیز! معاف کر دو۔ لیکن آئندہ بھی مجھے بھائی مت کہنا۔ اب ہر وقت مجھے سعد سے خوف آنے لگا تھا۔ میں اس کے سامنے سے ڈرنے لگی، دن رات کڑھنے لگی، کافی کمزور ہو گئی۔ دل چاہتا تھا بھی اُٹھ نہ دیکھوں بلکہ اپنا چہرہ ہی بگاڑ لوں، جس پر سعد کا تھپڑ پڑا تھا۔ خدا جانے میرے ساتھ کیا مسئلہ تھا۔ اب جبکہ وہ مجھے برا لگتا تھا لیکن میں اس کی کسی بات سے انکار بھی نہ کر سکتی تھی۔ وہ جو کہتاماں لیتی اور ویسے ہی اس کا ہر کام کرتی، لیکن اب میں بہت پریشان رہنے لگی تھی۔ اس کے سامنے جانے سے کتراتا۔ وہ خود ہی میرے سامنے آ جاتا تھا۔ اس روز وہ اپنے دوستوں کے ساتھ پکنک پر جا رہا تھا۔ خالہ نے مجھے آواز دی۔ بیٹی تم جاکر سعد کی تیاری کر آؤ۔ میں اس کے کمرے میں گئی۔ وہ بیگ میں اپنے کپڑے رکھ رہا تھا۔ میں نے تیاری میں اس کو مدد کی۔ بہت جلدی میں تھا۔ کہنے لگا کاش میرے بس میں ہوتا تو میں ضرور تم کو ساتھ لے جاتا۔ میں حیرت سے اس کی بات سن رہی تھی کہ مجھ پر حکم چلانے والا آج مجھے کیا کہہ رہا ہے یہ تو وہ ہے کہ مجھے سخت لہجے میں حکم دیتا ہے، اس وقت تو پڑا ہی پر سکون ہوتا ہے جبکہ میرادل دھڑک کر پاگل ہو جاتا، اور میری حالت عجیب ہو جاتی جو میں بیان نہیں کر سکتی۔ وہ مجھے اپنے اشاروں پر چلا رہا تھا اور میں اس

میں خوش ہو گئی کہ چلو کے کہنے کے علاوہ کوئی کام بھی نہ کر سکتی تھی۔ انہی دنوں مجھے لینے کے لیے ابو آ گئے۔ سعد کے تحکم امیز لہجے کے عذاب سے تو بچوں گی۔ امی بیمار تھیں۔ ان کو میری ضرورت تھی۔ گھر آتے ہی سارا کام میرے سر اُڑا۔ پھر بھی خوش تھی کہ سعد کے بارے میں سوچنے کی فرصت نہ ہی ملے تو اچھا ہے۔ کچھ دن بعد امی ٹھیک ہو گئیں تو وہ پھر سے فرعون بن گئیں۔ ابو نے ماں کاروبہ دیکھا تو مجھے پھر خالہ کے پاس چھوڑ گئے۔ خالہ نے بتایا کہ جب سے تم گئی ہو سعد تب کا گھر سے نکلا ہوا ہے۔ دیر کو گھر آتا ہے۔ خدا جانے کدھر رہتا ہے۔ رات ہو گئی، وہ گھر نہ آیا۔ خالہ نے کہا۔ بیٹی میں اور تیرے خالو سو جائیں اور سعد آئے تو اس کو کھانا دے دینا۔ یہ سن کر میری بھوک اڑ گئی۔ نجانے کیوں اب مجھے سعد سے زیادہ خوف آئے لگا تھا۔ خالہ اور خالو اپنے کمرے میں جا کر لیٹے ہی ہوں گے کہ بارن سنائی دیا۔ دل دھک دھک کرنے لگا۔ میں نے اچانک ایک فیصلہ کیا اور جا کر اپنے کمرے میں لیٹ گئی۔ سعد نے گیٹ بند کیا۔ وہ دین میں آیا۔ اس نے مجھے آواز نہیں دی۔ کھانا گرم کیا، کھانا کھایا۔ پھر وہ میرے کمرے میں آیا۔ اس نے لحاف میرے اوپر ڈھانپ دیا۔ کمرے کی لائٹ جل رہی تھی، اس نے لائٹ بند کی اور اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ان باتوں سے پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ اس کے دل میں رحم ہے۔ میرے لیے کوئی جگہ ہے اور وہ مجھے بھی انسان سمجھتا ہے۔ اس تمام رات مجھے نیند نہ آئی۔ صبح اٹھی تو دھوپ نکل آئی تھی۔ شر مندہ ہر مندہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ صبح نجانے کب ہو گئی تھی، جلدی سے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا، نیچے کی خالہ ناشتہ کا کام سمیٹ چکی تھیں اور میں چور ہی بنی کھڑی تھی۔ جا کر دیکھ! تیرے خالو کیڑے استری کروانے کو پریشان ہو رہے ہوں گے۔ جب میں خالو کے کمرے میں گئی تو حیران رہ گئی۔ خالو نے خود ہی کیڑے استری کر لیے تھے اور جوتے بھی خود پالش کر چکے تھے۔ میں نے ان سے معذرت کی تو وہ کہنے لگے بیٹی کوئی بات نہیں۔ اگر آج تمہاری آنکھ دیر سے کھلی۔ تم کیا اس گھر کی نوکرائی ہو جو ہر ایک کام لازمی تم ہی کر و؟ ہم کو بھی اپنے کام خود کرنے چاہیں۔ مجھے بہت خوشی ہوئی۔ خالو بولے۔ سعد سے پتا کر لو۔ شاید وہ پریشان ہو رہا ہو۔ میں بھاگتی بھاگی سعد کے کمرے میں پہنچی۔ دیکھا جو شخص بھی اٹھ کر پانی نہیں پیتا تھا اپنے جوتے پالش کر رہا تھا۔ میں نے جلدی سے برش اور جوتا اس کے ہاتھ سے لیا۔ بولا۔ اتنی کیوں گھبرا رہی ہو۔ تم سو رہی تھیں۔ تم نے کوئی جرم تو نہیں کیا جو ایسی مچل رہی ہو۔ اس کی بات سے میرا حوصلہ ہوا۔ ڈر سے جو میرا رنگ زرد تھوہ نہ رہا۔ شر مندہ ہی سر جھکائے جو تا پالش کر رہی تھی، جیسے کہ یہی میری قسمت میں ہو۔ آج جو سعد نے محبت بھرے لہجے میں مجھ سے بات کی تو میری آنکھوں سے آنسو کرنے لگے۔ جی چاہتا تھا اسی گھر میں رہوں ہمیشہ کے لئے لیکن سعد جو مجھے پیر کی جوتی سمجھتا تھا بھلا وہ مجھے کیوں نکالے گا؟ بار بناسکتا تھا۔ میں یہی سوچا کرتی تھی۔ آج پہلی بار مجھ کو ایک دوسرا احساس ہوا تھا۔ میں کسی اور سیج پر سوچنے لگی تھی۔ شاید یہ لوگ مجھ سے پیار کرتے ہوں اور میری ٹیمی کو بھلا کر مجھے وہ مقام دے دیں جو مجھ کو ملنا چاہیے۔ اگلے دن سعد کی چھٹی تھی۔ وہ اپنے دوست کے گھر سے جلدی آ گیا تھا۔ خالہ کچن میں تھیں۔ مجھے خوشی تھی کہ آج میری بھی چھٹی ہو گئی ہے۔ میں بھاگ کر گئی، سعد کے میلے کیڑے اکٹھے کیے اور مشین میں ڈالنے ہی والی تھی کہ شرٹ کی جیب میں مجھے کچھ محسوس ہوا، جب کھول کر دیکھا تو حیران رہ گئی۔ کسی لڑکی کا خط تھا جو اس نے سعد کو لکھا تھا کہ تمہارے دوست ڈاکٹر نے مجھ کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔ وہ مجھے دوا نہیں دیتا، میں بہت مصیبت میں ہوں، پلایز تم میرے سے شادی کر لو ورنہ میں بدنام ہو جاؤں گی۔ یہ پڑھتے ہی میری حالت عجیب حالت ہو گئی۔ خط واپس جیب میں ڈال دیا اور آکر لیٹ گئی۔ سوچنے لگی کہ کیا معاملہ ہے۔ کیا وہ سعد کی دوست ہے؟ کیا سعد اس لڑکی سے شادی کرے گا اور کیا یہ اتنا برا ہے۔ یقیناً نجانے کتنی لڑکیوں کو ہر باد کیا ہو گا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس خط کو پڑھنے کے بعد میری کیوں ایسی حالت ہو گئی کہ میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جو نہمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اب اس گھر کی بہو نے کے خواب نہیں دیکھوں گی۔ آج کل کے لڑکے ہر باد کس کو کرتے ہیں اور شادی کسی اور سے کرتے ہیں۔ جہاں تک ہو سکا میں سعد سے دور رہوں گی اور میں حفاظت کروں گی۔ لیٹے لیٹے دفعتاً مجھے خیال آیا کہ اگر یہ خط خالہ نے نکال دیا تو سعد کے لیے اچھا نہ ہو گا۔ نہ صرف اس کا راز قاش ہو گا بلکہ وہ خالہ کی نظروں سے بھی گر جائے گا۔ تبھی میں انھی۔ میں نے خط سعد کے میلے کرتے کی جیب سے نکال کر اپنے پاس رکھ لیا۔ خالہ میرے کمرے میں آئیں۔ دیکھا میں لیٹی ہوں، وہ سمجھیں طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیونکہ میں بلاوجہ لیٹتی نہ تھی۔ و خود جا کر کیڑے دھونے والی تھیں کہ سعد آ گیا۔ شاید اس کو خط یاد آ گیا تھا۔ اس نے جلدی جلدی اپنے میلے کیڑے دیکھے۔ خط اس کو نہ ملا۔ ماں سے پوچھنے کی اس میں جرأت نہ تھی، مگر وہ سمجھ گیا کہ خط ماں کے ہاتھ نہیں لگا کیونکہ خالہ کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہ تھے، تھی وہ میرے کمرے میں آ گیا۔ اس نے مجھے آواز دی۔ سنو، کیا تم جاگ رہی ہو؟ اس کی آواز سن کر میں اٹھ بیٹھی۔ سمجھ گئی کہ وہ کیوں آیا ہے کیونکہ عام حالات میں وہ میرے کمرے میں نہیں آتا تھا۔ کیا تم نے میلے کیڑے، میرے کمرے سے اٹھائے تھے؟ ان میں... ابھی اس نے فقرہ مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ میں نے دراز کھولی اور خط اس کو دے دیا۔ خط کو اس نے مٹھی میں لے لیا لیکن اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔ کیا تم نے اس خط کو پڑھا تھا؟ جی ہاں! میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ لمحہ بھر تک مجھے گھورتا رہا۔ میں نے سر جھکالیا۔ میری آنکھیں فرش کو دیکھ رہی تھیں جیسے وہ نہیں، میں مجرم تھی۔ اچانک میری سسکی نکل گئی۔ پٹ پٹ آنسو فرش پر گرنے لگے۔ وہ تصویر حیرت بنا کھڑا تھا۔ تم کیوں رو رہی ہو؟ کیا کیا ہے تم نے؟ وہ پوچھا رہا تھا۔ آپ نے کسی کی زندگی برباد کی۔ آپ کو رحم نہیں آیا۔ دکھ نہیں ہوتا آپ کو کسی کو دکھ دے کر۔ خدا جانے مجھ میں ایسی طاقت کہاں سے آگئی تھی جو میں بولتی جا رہی تھی۔ حیرت تھی کہ سعد جو اس قدر تنگ مزاج اور مغرور آدمی تھا، اس وقت میری باتوں کو خاموشی سے کیوں نہ کر سن رہا تھا۔ جب میں بول چکی تو اس نے کہا۔ تم کو کسی لڑکی سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟ تم نہیں جانتیں کہ وہ اچھی لڑکی نہیں ہے ورنہ میں ضرور اس سے شادی کر لیتا۔ بہر حال تم اس معاملے کو دبا دو اور کسی سے بھی اس بات کا ذکر مت کرنا، سمجھیں۔ یہ کہہ کر وہ میرے کمرے سے نکل گیا۔ اس کے بعد دودن تک میرے سامنے نہ آیا۔ انہی دنوں ابا جان آگئے۔ وہ خالہ سے میرے لئے کوئی فیصلہ کن بات کرنے آئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ ایا تم تو جانتی ہو کہ کی سوتیلی ماں اس کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی۔ زندگی کا ہر ہر وسہ نہیں۔ میں دل کا مریض ہوں۔ تم اس بارے میں سوچو، اس کی شادی کرنی ہے۔ خالہ ان کا مطلب سمجھ گئیں۔ بولیں میں دل سے چاہتی ہوں اپنی مرحوم بہن کی نشانی کو ہمیشہ گلے سے لگا کر رکھوں لیکن سعد کو راہ پر لانا مشکل نظر آتا ہے۔ دو چار بار اس مسئلے پر میں نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ہر دفعہ ٹال مٹول کر جاتا ہے۔ تم کچھ دن ٹھہرو۔ وہ راہ پر آ جائے گا، پھر اس بچی کو

میر اسمانانہ کرتا۔ جب باہر دھکادینے کی ضرورت نہ رہے گی۔ سعد اس کے بعد کافی بدل گیا۔ ہر وقت گھر میں رہتا لیکن میں کھانا لے کر کمرے میں جاتی ، وہ باہر نکل جاتا۔ جب میں باہر آتی تو اندر چلا جاتا۔ مجھ کو با بار خیال آتا۔ کاش ! سعد یہ پہلے ایسا ہی رہتا آخر ایسا کیا مسئلہ ہے کہ مجھ سے دور بھاگتا ہے۔ ابو بیمار ہو گئے تو مجھے بلوا بھیجا۔ خالو مجھے گھر چھوڑ کر آگئے۔ امی نے جاتے ہی میری بری حالت کر دی۔ باتوں باتوں میں کلیجہ چھلنی کرنے لگیں کہ کم بخت ، بد ہو کہیں کی ! سعد کو مائل نہ کر سکی۔ کیا مٹی کا مادھو ہے تو۔ تجھ کو تیری خالہ کے پاس اس لیے رکھا تھا کہ اس کا لڑکا تجھ کو پسند کر لے گا۔ وہ دولت مند لوگ ہیں۔ ذرا تجھ میں کوئی بات ہوتی تو آج عیش کرتی۔ ہم تو تیری شادی نہیں کر سکتے۔ اتنے روپے کہاں میرے پاس؟ میں آنسو بہاتی کہ کہیں ایانہ سن لیں۔ وہ بیمار ہیں۔ ان کو اور بھی صدمہ ہو گا۔ انہیں کیا بتاتی کہ میں نے سعد سے شادی نہیں کرنی۔ اس کو جس چیز کی ضرورت تھی وہ اس کو مل گئی تھی۔ مجھ سے شادی کر کے اس کو کیا ملے گا۔ ابو کی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی۔ میری بد قسمتی کہ وہ چل بسے۔ یہ سہارا بھی میرا ٹوٹ گیا۔ اتنا روٹی کہ آسمان بھی رویا ہو گا۔ ابو کی وفات کے بعد تین ماہ تک سوٹیلی ماں کے گھر رہی۔ سوٹیلے بہن بھائیوں اور ماں کی خدمت کرتی رہی۔ ماں ان دنوں کافی غمزہ رہتی تھیں۔ اک دن خالہ اور خالو آئے۔ ماں سے کہا۔ ہم کارشتہ لینے آئے ہیں۔ وہ خوش ہو گئی۔ وہ جیسی بھی تھی لیکن دل سے چاہتی تھی کہ میں اپنے گھر کی ہو جاؤں اور خالہ کی بہو بنوں۔ شاید انہوں نے سعد کو منا لیا تھا اور اب وہ میری شادی اس سے کر رہے تھے۔ جس دن شادی تھی، میں صبح سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ آج سگی ماں کے ساتھ ساتھ ابو بھی یاد آ رہے تھے۔ وہ بوتے تو سر پر ہاتھ رکھ کر مجھے رخصت کرتے۔ شادی سادگی سے ہوئی، کوئی زیادہ اہتمام نہ ہوا۔ بارانی بھی کم تھے۔ یہ سعد کی مرضی تھی کہ شادی دھوم دھام سے نہ ہو لیکن بری بہت اچھی تھی۔ اتنی قیمتی اور خوبصورت کہ محلے کی عورتوں نے دیکھی تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ جب مجھے دلہن بنا کر آئینہ دکھا یا تو میں حیران رہ گئی۔ آج پتا چلا کہ میں تو سعد سے بھی زیادہ خوبصورت تھی۔ کمرہ خوب سجا ہوا تھا۔ یہ وہی کمرہ تھا جس میں میں نوکرانیوں کی طرح صفائی اور جھاڑو کیا کرتی تھی اور اس کمرے میں ڈرتے ڈرتے قدم رکھا کرتی تھی۔ اچانک مجھے خط والی بات یاد آگئی ، رونے لگی، تبھی دولہا نے کمرے میں قدم رکھا۔ میرا گھونگھٹ اٹھانے سے پہلے پیرے کی انگوٹھی انگلی میں پہنائی اور کہنے لگے۔ تم میری جیون ساتھی ہی نہیں، میری راز دار بھی ہو، غمگسار بھی بن کے رہنا۔ انہوں نے میرے آنسو پوچھے اور کہا کئی لڑکیاں دیکھیں مگر کسی میں وہ بات نہیں جو تم میں ہے۔ سبھی تم کو مٹی کا مادھو کہا کرتے تھے۔ آج کوئی میرے دل سے پوچھے کہ اس مٹی کے مادھو میں دل سونے کا ہے اور یہ کتنا جان دار اور کتنا قیمتی ہے۔ ان کے لبوں سے ایسے بول سن کر ششدر رہ گئی۔ یقین نہیں آ رہا تھا وہ جو اوپر سے بیزار رہتے تھے اندر سے کس قدر مجھ سے محبت کرتے تھے۔ کب نفرت ترک کر کے انہوں نے مجھ سے محبت کی ... یہ معمہ آج تک حل نہیں ہو سکا۔ میں نے اپنی زندگی میں جتنے غم دیکھے تھے اللہ نے سب بھلا دیے میں نے دل سے سعد کی قدر کی جس کو میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی چاہا تھا وہ میرا اتنا برا قہر دان تھا یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا